اسلامی سزائیں

علامہ طارق مجاہد جہلمی

اسلام دین فطرت ہے۔''لفظ اسلام'' اللہ کے فیصلوں کو زبان و دل اور عمل سے ماننے اور''دین'' اطاعت خداوندی سے عبارت ہے اور فطرت کا مطلب معرفت الٰہی یا محبت الٰہی کا وہ جذبہ یا خواہش جو انسان میں پیدائش کے وقت سے مرکوز ہے۔ بالفاظِ دیگر فطرت وہ تخم ہدایت یا اخلاقی حس ہے جسے انسان میں ابتدائے آفرینش سے رکھا گیا ہے۔ اسلام کے دین فطرت کا مفہوم یہ نکلا کہ اسلام ہی وہ ذریعہ ہے جس کی بدولت انسان کا فطری میلان پورا ہوتا ہے۔ چونکہ اسلامی احکام انسان کی فطرتِ سلیم پر نازل کئے گئے ہیں۔ ان کا مدار کسی مخصوص قوم اور مخصوص زمانے کے رسم و رواج اور ضرورتوں پر نہیں ہے اور انسان کی فطرت ہر زمانہ اور ہر حال میں ایک ہی رہتی ہے اس لئے اسلام ایک دائمی''دین'' ہے۔ اس کے احکام میں زمانہ اور ماحول کے ساتھ تبدیلی و رد و بدل کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں یہ امر بھی پیش نظر ہے کہ اسلام میں ایک''اجتہاد'' بھی ہے۔ اسلام کے مآخذ قوانین میں اجتہاد کے حرکی پہلو کا مقصد یہ ہے کہ اگر کسی دور میں انسان کو اپنے مسائل کا حل قرآن و حدیث اور اجماع میں نہ ملے تو اپنی ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اس کا حل ڈھونڈنے کی کوشش کرے اسی کو اجتہاد کہا جاتا ہے۔ قرآن و حدیث میں اصولی احکام بیان کر دیئے گئے ہیں، اور جزئیات و فروعات کو ہر زمانہ کے مصالح پر چھوڑ دیا تاکہ ان اصولوں کو سامنے رکھ کر انسان اپنے مسائل حل کر سکے۔ (۱)

اصول منافع پر سب کا اتفاق ہے: انسان کے ہر زمانہ میں اصولِ منافع کے ضمن میں درجہ بدرجہ اُن کی تدابیر کے اصول ایک رہے ہیں۔ مگر ان تدبیروں کی صورتوں اور فروعات میں اختلاف رہا ہے۔ مثلاً سب کا اتفاق ہے کہ مردوں کی عفونت (بدبو) دور کی جائے اور ان کی برائی نہ کی جائے۔ لیکن اس کی صورت میں لوگ مختلف ہیں۔ بعض زمین میں دفن کرنا پسند کرتے ہیں۔ بعض آگ میں جلانے کو اچھا خیال کرتے ہیں، سب اس پر متفق ہیں کہ نکاح کو شہرت دی جائے تاکہ حاضرین کے سامنے اس میں اور زنا میں تمیز ہو جائے لیکن اس کی صورتیں مختلف قرار دی گئی ہیں۔ بعض نے گواہوں اور ایجاب و قبول اور ولیمہ کو بہتر سمجھا ہے اور بعض نے دف اور رنگ و راگ اور

لباس فاخرہ کو جو کہ بڑی بڑی دعوتوں میں پہنا جاتا ہے۔ سب اس پر متفق ہیں کہ زانیوں اور چوروں پر زجر اور توبیخ کی جائے۔ بعض نے سنگساری اور ہاتھ قطع کرنا پسند کیا۔ بعض نے تکلیف دہ زدوکوب یا سخت قید یا سخت جرمانوں کی سزا اختیار کی۔ مذکورہ بالا بحث کے معنی یہ نکلے کہ مجرم کو سزا دینے میں دنیا کے تمام تہذیب وتمدن اپنی اپنی صورتوں میں متفق ہیں۔ مغرب میں بالخصوص اور مشرق میں بالعموم اسلام کے بارے میں اور بالخصوص اسلامی سزاؤں کو وحشیانہ وظالمانہ قرار دینے کی تحریک مستشرقین کی پیدا کردہ ہے۔ اسی تحریک کے زیر اثر ہمارا مغرب زدہ طبقہ اسلام کے بارے میں گاہے بگاہے شکوک و شبہات پیدا کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ شہزادہ چارلس نے انتہائی گہرائی و گیرائی سے مغرب اور مغرب زدہ احباب کی اسلام کے بارے میں بنیادی سوچ اور اس غلط فہمی کے حقیقی رخ کو بیان کیا اور پھر انہیں اسلام کے صحیح رخ کے بارے میں مشورہ دیتے ہوئے لکھا:

> ''غلط فہمیاں اُس وقت جنم لیتی ہیں جب ایک دوسرے کے نقطہ نگاہ اور حیثیت کو سمجھنے میں کوتاہی برتی جائے جس زاویہ نگاہ سے مغرب نے اپنی تاریخ کو دیکھا اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ مغرب نے اسلام کو قرونِ وسطیٰ میں بحیثیت ایک جنگی فاتح اور جدید دور میں بحیثیت تنگ نظر، انتہا پسند، دہشت گرد قوت تصور کر رکھا ہے۔ یہ بات قابل فہم ہے کہ کس طرح سلطان محمد کے ہاتھوں ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ کی فتح ۱۵۲۹ء اور ۱۶۸۳ء میں عثمانی جنگوں نے یورپ کے بادشاہوں پر خوف سے کپکپی طاری کر دی۔ ۱۷۹۸ء میں نپولین کا مصر پر قبضہ اور انیسویں صدی عیسوی تقریباً ساری عرب دنیا اور عثمانیوں کے زوال کے بعد یورپ کی گرفت اسلام پر مکمل نظر آنے لگی۔''
>
> فتوحات کا وہ زمانہ بیت گیا۔ مگر اب بھی اسلام کے متعلق ہمارا عام رویہ درست نہیں (یعنی مغرب کا) اس لئے کہ ہمارے سمجھنے کے طریقۂ کار کو ''انتہائی سطحی سوچ'' نے یرغمال بنا رکھا ہے۔ یورپ میں رہنے والے ہم میں سے اکثریت نے لبنان میں خانہ جنگی، مشرقِ وسطیٰ میں انتہاء پسندی اور عرفِ عام میں ''اسلامی بنیاد پرستی'' کی شکل میں دیکھا ہے۔ اسلام کے متعلق ہمارا فیصلہ بالکل مسخ شدہ حقائق پر مبنی رہا ہے۔ یہ ایک زبردست غلطی

ہے۔ یہ اس طرح جیسے ہم لندن میں زندگی کے معیار کو نہ صرف یہاں رو پذیر ہونے والے اکا دکا قتل، عصمت دری، بچوں کے ساتھ جنسی ناانصافی یا منشیات کے استعمال کی رو سے پرکھیں غیر معمولی حالات ہوتے ہیں۔ اور ان سے ہر صورت میں نمٹنا چاہئے۔ مگر جب ان غیر معمولی حالات کو بنیاد بنا کر پوری ملت پر فیصلہ صادر کر دیا جائے تو یہ ناجائز ہے اور غلط بیانی کو جنم دیتا ہے۔

ایک غیر مسلم کے نزدیک شرعی قوانین وحشیانہ وظالمانہ نہیں ہیں! چنانچہ شہزادہ چارلس اپنی تقریر میں آگے کہتے ہیں کہ ''اس ملک یعنی برطانیہ میں لوگ اکثر تکرار کرتے ہیں کہ شرعی قوانین ظالمانہ، وحشیانہ اور غیر منصفانہ ہیں۔ ہمارے اخبارات تعصبات پر مبنی افواہیں پھیلانے میں سب سے آگے ہیں۔ حقیقت بے شک مختلف ہوتی ہے اور ہمیشہ دقیق اور پیچیدہ ہوتی ہے۔ میری اپنی سمجھ میں غیر معمولی فعل جیسے ہاتھوں کو کاٹنا ہے جس پر شاذ و نادر عمل ہوتا ہے۔ اسلام کا رہنما اصول اور اسلامی قوانین کی روح جو قرآنِ حکیم کی مرہونِ منت ہے حق و انصاف اور رحم پر مبنی ہے۔'' فیصلہ صادر کرنے سے پہلے شرعی قوانین کی عملی صورت کا مطالعہ کرلیا کریں۔''

مغرب اور مغرب زدہ کو مشورہ:

ہم یورپی باشندوں کو اپنے متعلق اسلامی دنیا کے خیالات کو سمجھنا چاہئے۔ اسلامی دنیا جس قدر نیک نیتی سے مادہ پرستی کو اسلامی معاشرہ اور طرزِ زندگی کے لئے مہلک جانتی ہے اس کو سمجھنے سے انکار کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ بلکہ ایسا طرزِ عمل نقصان دہ ہوسکتا ہے۔ ہم شاید یہ سمجھتے ہیں کہ مغرب کی نفس پسند مادہ پرستی کو بشکل ٹی وی، الیکٹرانک میڈیا دیکھنا چاہئے۔ اسی طرح اسلامی زندگی کے کچھ کٹھن معاملات کے بارے میں مغرب کے ردعمل کو اسلامی دنیا میں بھی سمجھنا چاہئے۔ ہمیں، ''بنیاد پرست'' جیسی جذباتی اصطلاح سے اجتناب کرنا چاہئے اور ہمیں ''دیندار، راست باز، مذہبی تجدد کے حامی مسلمانوں اور انتہا پسند سیاسی مقاصد حاصل کرنے والے مسلمانوں میں فرق کرنا چاہئے۔''

حقیقی مقصد حیات صرف اسلامی مذہب اور عقیدے میں مضمر ہے۔ جہاں موجودہ اسلامی

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

نشاۃ ثانیہ کے متعدد مذہبی، معاشرتی اور سیاسی اسباب ہو سکتے ہیں۔ وہاں اس سوچ کا بھی خاصہ دخل ہے کہ مغربی ٹیکنالوجی اور مادہ زندگی کی حقیقت و اصلیت کو جاننے سے قاصر ہے۔ اور ''حقیقی مقصد حیات صرف اسلامی مذہب اور عقیدے میں مضمر ہے۔'' ہمیں یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اسلام کا طرۂ امتیاز ''بنیاد پرستی'' ہے۔ اسلام کسی مذہب بشمول عیسائیت کوئی زیادہ انتہا پسندی پر اجارہ داری نہیں رکھتا۔ مسلمانوں کی اکثریت انفرادی طور پر ''نیک اور سیاسی طور پر معتدل'' ہے۔ ان کا ''درمیانہ راستہ'' والا مذہب ہے۔ (۲)

محولہ بالا شہزادہ چارلس صاحب کی تقریر ہمارے مغرب زدہ بھائیوں کے منہ پر کھلا طمانچہ ہے کہ آپ نے غیر مسلم ہوتے ہوئے اسلامی تعلیمات کا گہرائی و گیرائی سے مطالعہ کر کے انتہائی پر مغز، بصیرت افروز تقریر کی۔ ہم اہلِ اسلام شہزادہ چارلس صاحب کے ان غیر متعصبانہ رویہ کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں اور مسلمان مغرب زدہ دانش وروں کو یہی رویہ اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

حدود و تعزیرات:

اسلامی قانون کا سرچشمہ وحی و الہام ہے۔ اس کی روح انسانی، عقلی اور تمدنی ہے۔ اسلامی قانون میں تعزیر ہے مگر اس سے پہلے خود اپنی اصلاح اور احتسابِ نفس کے کئی مراحل ہیں۔ تقویٰ تزکیۂ نفس اور توبہ پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ اسلامی قانون میں فرد کا وقار اور احترامِ آدمیت ہر حال میں ملحوظ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے معاشرتی اصلاح کے تمام اصول دینے کے ساتھ ساتھ حدود و تعزیرات پر مبنی اصول و ضوابط اس لئے دیئے تاکہ معاشرے کو ان افراد سے محفوظ کیا جائے۔ جو اخلاقی، تعلیمی اور ترغیبی ذریعے سے اصلاح قبول نہ کریں۔ ایسے عناصر معاشرے کے لئے ناسور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہیں کڑی سزائیں دینے کا واحد مقصد انہیں راہِ راست پر لانا اور دوسروں کے لئے سامانِ عبرت مہیا کرنا ہے تاکہ یہ مٹھی بھر عناصر معاشرے کے امن و سکون کو تہ و بالا نہ کر دیں۔

عصر حاضر کے دانش وروں سے سوال جو اسلامی سزاؤں کو وحشیانہ قرار دیتے ہیں:

آج کل اسلام کی سزاؤں کو ان کی حکمت سے اغماض برتتے ہوئے ہدف تنقید بنایا جاتا ہے۔ ان سے پوچھا جا سکتا ہے کہ کیا جرائم کا ارتکاب کرنا بہت ضروری ہے۔ مزید براں اعتراض اُن

لوگوں کی جانب سے کیا جاتا ہے جن کے ہاتھ ہیروشیما، ناگاساکی، وسطِ ایشیا، افغانستان، فلسطین، کشمیر اور عراق کے کروڑوں بے گناہ اور بے قصور انسانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ یہ انسانیت کی کون سی خدمت ہے کہ چشم زدن میں لاکھوں کروڑوں نفوس موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں۔ وہ اسلامی سزاؤں پر اعتراض کریں۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے۔ اسلام سخت سزا کے ساتھ ''ضابطۂ شہادت'' بھی سخت بتاتا ہے۔ ذرا سا شک کا فائدہ ملزم کو دیتا ہے۔ اس صورت میں اسلام کی مقرر کردہ حد ساقط ہو جاتی ہے، اور تعزیری سزا کا اطلاق ہوتا ہے جہاں تک رحم وشفقت کا تعلق ہے وہ اسلام سے زیادہ کون سکھاتا ہے۔ جس نے میدانِ جنگ میں بھی دشمنوں کا حق پہچانا اور حکم دیا کہ دشمن ہتھیار ڈال دے تو حملہ مت کرو، عورت سامنے آئے تو ہاتھ روک لو، بچوں اور بوڑھوں پر ہاتھ مت ڈالو۔

اسلامی حدود کا فلسفہ:

شرعی سزاؤں کے اجراء ونفاذ کا مقصد وحید نظام تمدن کے اختلال کو روکنا، شریف اور امن پسند شہریوں میں احساسِ تحفظ پیدا کرنا اور سماج دشمن عناصر کے دل میں خوف پیدا کر کے انہیں ایسی حرکات سے باز رکھنا ہے، جن کے باعث اللہ کی زمین میں فساد جنم لیتا ہے اور معاشرے کا اخلاقی معیار پست ہو جاتا ہے۔ (۳)

حدودِ اسلامی اور اس کا نفاذ عین فطرت کے مطابق ہے:

ہمیں اعتراف ہے کہ قرآنِ کریم اور سنت نبوی ﷺ میں اجراء حدود میں سخت سزائیں رکھی گئی ہیں۔ لیکن جن لوگوں کی نظر ان سزاؤں کی سنگینی پر جاتی ہے اگر ان میں انسانیت کی کوئی رمق باقی ہے تو انہیں اس پر بھی نظر کرنی چاہئے کہ جس فعل پر یہ سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔ وہ فعل کس قدر گھناؤنا اور کس قدر انسانیت سوز ہے۔

الف۔ آج کل وہ لوگ جو اسلامی سزاؤں کو غیر مہذب ووحشیانہ اور ظالمانہ بتا رہے ہیں، اگر اپنی بیوی کو مشتبہ حالات میں غیر مرد کے پاس دیکھ لیں تو یقیناً غیرت مند شخص دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دینے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ یہ فطرتِ انسانی ہے۔

ب۔ تعجب ہے کہ جب شریعت زانی مرد اور زانی عورت کی سزا تجویز کرتی ہے تو لوگ ناک

بھوں چڑھاتے ہیں تو اس سزا کو غیر مہذبانہ اور وحشیانہ کہنے لگتے ہیں۔ جبکہ اسلام نے سزا کے جاری کرنے میں انتہائی احتیاط برتنے کا حکم دیا۔ سخت سے سخت شرائط مقرر کیں اور شک کا فائدہ پہنچا کر حد ساقط کرنے کا حکم جاری فرمایا۔ جبکہ زنا ایک بڑا گھناؤنا جرم ہونے کے علاوہ پوری انسانیت کے لئے تباہی کا باعث ہے۔ خاندانی شرافت اور نسب کے لئے باعث ذلت ہے، تو پھر اسلام اگر زانی مرد اور زانی عورت (غیر شادی شدہ) کو سو کوڑے مارنے اور شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت کو رجم کرنے کی سزا صادر کرتا ہے تو کیا یہ عین فطرت نہیں تا کہ معاشرہ اور پوری انسانیت فساد سے بچ جائے۔ یہ لوگ خود تو اپنی بیوی کو مشتبہ حالت میں دیکھ کر قتل کرنے پر تل جائیں، اور جب شریعت انتہائی واضح شہادتوں کے بعد وہی فیصلہ کرے تو وہ سزائیں وحشیانہ نظر آنے لگیں۔ (۴)

ت۔ یہی حال چوری کا ہے۔ ایسی حالت میں ایک چور سارے گھر کو لوٹ کر چلا جائے اور اسی اثناء میں مالک مکان دیکھ لے اور اس کے ہاتھ میں اسلحہ ہو تو کیا وہ اسے چھوڑ دے گا، بلکہ فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ ایسی صورت میں یقیناً اس پر فائر کرے گا اور کم از کم اس کے پاؤں میں گولی مار کر اسے بیکار کر دے گا۔ یہی کام جرم ثابت ہونے پر شریعت صرف ہاتھ کاٹنے کی سزا دے تو اسے وحشیانہ سزا قرار دیا جاتا ہے۔

ث: یہی صورتِ حال حد قذف میں ہے کہ اگر کوئی شخص کسی پاک دامن بیٹی پر زنا کی تہمت لگا دے تو کیا ایک غیرت مند آدمی اپنی بیٹی کی عصمت اور عفت کو داؤ پر لگا کر اس کی زندگی کو تلف کرے گا۔ پھر پاک دامن بیٹی کا بدلہ چکانے کیلئے تہمت لگانے والے کا کام تمام کر دے گا۔ فطرت کا تقاضا ہے ایسا آدمی کبھی قابل معافی نہیں تو پھر جب یہی جرم ثابت ہونے کے بعد شریعت نے جس طرح کسی کے مال کو قابل احترام قرار دیا ہے، اسی طرح عزتِ نفس کی بھی رعایت رکھی گئی ہے، جس طرح شریعت زنا کو گناہ کبیرہ قرار دیتی ہے اسی طرح اس کے نزدیک تہمت لگانا بھی گناہِ کبیرہ ہے۔ غرض اسلامی سزائیں عین فطرت کے مطابق ہیں لیکن حقیقت میں جرم کی سختی اور اس کے ضرر کے مقابلہ میں وہ سخت نہیں ہیں، جو لوگ انسانی حقوق کے نام پر اس فطرت کو بدلنا چاہتے ہیں وہ ممسوخ الفطرت انسانی فطرت کے خلاف آمادۂ جنگ ہیں اور ان کے بارے میں یہ کہنا بجا ہے۔

☆ امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے

حد کی تعریف:

''حد'' عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی باز رکھنے، اندازہ کرنے کے ہیں، مگر اس کے اصطلاحی معنی سزا کے ہیں۔ اس کو حد اسلئے کہتے ہیں کہ اس کے ذریعے مجرم کو جرم کے دوبارہ ارتکاب سے روکا یا باز رکھا جاتا ہے۔ شریعت میں اس کو حد اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے کسی گناہ کی سزا دینے کا خدا نے اندازہ مقرر کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے اس کی تعریف میں یہ کہا ہے کہ وہ سزا جو حق اللہ میں تجاوز کرنے کی وجہ سے (خدا کی طرف سے یا شارع علیہ السلام کی طرف سے) متعین ہے۔ حق اللہ کے طور پر واجب ہے اس کو انگریزی میں (Punishment Stipulated in the Quran) کہا جاتا ہے۔ قرآنِ پاک میں ہے: ''یہ احکام اللہ تعالٰی کے حدود ہیں۔ سو ان کے نزدیک نہ جاؤ۔'' حد کی جمع حدود ہے۔ اس سے قبل کہ اس کی اقسام پر بحث ہو (۱) حد (۲) تعزیر (۳) کفارہ۔ ان تینوں میں فرق بیان کر دیا جائے تاکہ اگلی بات سمجھنے میں آسانی ہو۔

تعزیر:

وہ سزا جس کی حد و کفارہ مقرر نہیں کیا گیا بلکہ اس کی سزا حسب حال قاضی یا حکام کی رائے پر چھوڑی گئی ہو، اسے انگریزی میں Discretionary Punishment کہتے ہیں۔

کفارہ:

اُن امور میں بدلہ و تاوان مقرر ہو جو اصل میں مباح ہوں مگر کسی عارضی سبب سے حرام ہو جائے۔ اسے انگریزی میں Expiatory Gift کہا جاتا ہے۔

تعزیر و حد میں فرق:

حد میں سزا مقرر شدہ ہے اور قاضی یا حاکم کی رائے کو دخل نہیں اور تعزیر وہ سزا ہے جس کا تعین قاضی یا حاکم حسب حالات خود کرتا ہے۔ علامہ ابن قیم اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں:

> ''تعزیر اُن گناہوں میں مشروع ہے جن میں کوئی حد اور کفارہ نہیں ہے۔ کیونکہ گناہ کی تین اقسام ہیں۔ ایک وہ قسم ہے جن میں حد ہے اور کفارہ نہیں اور ایک وہ جن میں کفارہ ہے، حد نہیں ہے، ایک وہ ہے جن میں نہ حد ہے اور نہ کفارہ مقرر ہے۔''

پہلی قسم چوری زنا تہمت ہے۔ دوسری جن میں کفارہ ہے۔ مثلاً ماہِ رمضان میں دن کے وقت اور حالتِ احرام میں جماع کرنا اور تیسری قسم تعزیر ہے۔ مثلاً اجنبی عورت کو بوسہ دینا یا اُس کے ساتھ علیحدہ مکان میں بیٹھنا۔ مردار گوشت خود کھانا، حمام میں بغیر ازار کے داخل ہونا، پہلی نوع میں حد ہی تعزیر کی جگہ کافی ہے اور دوسری میں بموجب دو قوتوں کے تعزیر مع کفارہ واجب ہے۔ تیسری میں محض تعزیر ہے۔'' (۶) حدود و کفارہ اسلئے مقرر کیا گیا تا کہ لوگوں کو گناہوں پر زجر و توبیخ ہوتی رہے۔

جرم کی تعریف:

عربی میں اس کا معنی تعدی اور ذنب (گناہ) کیا جاتا ہے۔ ذنب کو جریمہ بھی کہتے ہیں۔ فارسی میں جرم بمعنی جرمانہ کے آتا ہے۔ جرم کا لفظ مملکت عثمانیہ میں بمعنی جرمانہ استعمال ہوتا رہا۔ (۷)

دراصل جرم وسزا کے سارے تصور کا تعلق حقوق سے ہے۔ حقوق دو طرح کے ہیں۔ الف حقوق اللہ (ب) حقوق العباد۔ ان میں سے کسی ایک کا بھی تلف ہونا معصیۃ کہلاتا ہے۔ اور اس پر سزا کے لئے عمومی اصطلاحی لفظ عقوبتہ ہے۔ اس میں تادیت و ملاحت بھی شامل ہے۔ اس کی قانونی کئی صورتیں ہیں۔ ان میں ایک نمایاں صورت حد ہے اور دوسری تعزیر۔ اسلام نے معصیۃ وعقوبتہ (جرم و سزا) کے مسئلہ پر کسی منتقمانہ نظریئے پر عمل نہیں کیا، بلکہ اس کے نزدیک سزا نفس انسانی کے تزکیہ تصفیہ اور معاشرے کی تطہیر کا ایک ذریعہ ہے۔ اس لئے سنگین جرائم کے سوا (جن کا تعلق شرفِ انسانی کی تذلیل، خاندانی نجابت کی تخریب اور معاشرتی و اجتماعی امور میں بدنظمی اور خلل اندازی سے ہے) دوسری معصیتوں میں توبہ اور پشیمانی کو بھی بڑی اہمیت دی گئی ہے تا کہ داخلی انقلاب کی وجہ سے نفوس رضا کارانہ طور سے جرائم سے بچ سکیں۔ یاد رہے کہ اسلامی اصطلاح میں ہر جرم معصیۃ ہے اور اس میں خدا کی طرف سے بھی مؤاخذہ ہوگا۔ جرم اور معصیۃ کے تصور میں یہ فرق ہے کہ جرم وقتی اور ایں جہانی تصور پر مبنی ہے اور معصیۃ میں دونوں شامل ہیں۔ (۸)

حدود کی اقسام:

جرائم کی حدود کے ضمن میں مندرجہ ذیل رائے ہیں: بعض کے نزدیک پانچ، چھ اور سات حدود ہیں۔ مذکورہ بالا جرائم ستہ میں بغاوت بھی شامل ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے سترہ جرائم کو

قابل حد شمار کیا ہے اور گیارہ جرائم سے متعلق اتفاق ظاہر کیا ہے۔ مذکورہ بالا جرائم سبعہ کے علاوہ ترکِ صلوٰۃ، ترکِ صوم، سحر، وطی بہائم کو بھی حدود میں شامل کیا ہے۔

جمہور فقہاء کرام اُن جرائم کی حدود پر متفق ہیں، جو قرآنِ پاک سے ثابت شدہ ہیں:

۱۔ ''حد زنا''۔ جس کا ثبوت سورۂ نور آیت نمبر ۲ میں ہے۔

۲۔ ''حد قذف''۔ کا ثبوت آیت نمبر ۴ سورہ نور میں موجود ہے۔

۳۔ ''حد سرقہ''۔ سورۃ المائدہ آیت نمبر ۳۸ میں ثبوت موجود ہے۔

۴۔ ''حد حرابہ''۔ کا ثبوت سورۃ المائدہ آیت ۳۳/۳۴ میں ہے۔

۵۔ ''حد شرب خمر''۔ سورۃ المائدہ آیت نمبر ۹۰ میں ہے۔

۶۔ ''حد بغاوت''۔ سورۃ الحجرات آیت نمبر ۹ میں موجود ہے۔

۷۔ ''حد ارتداد''۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۱۷ میں ہے۔

مذکورہ بالا چھٹی اور ساتویں سزا سے متعلق شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ذکر کیا ہے۔

(۱) دین حق کی ہتک کی سزا اور (۲) خلافتِ اسلامیہ کے مخالفین اور باغیوں کی سزا۔

دین سے منحرف ہو جانے والے کی سزا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر مبنی ہے کہ جو شخص دین حق کو بدل دے یعنی دوسرا مذہب اختیار کرے اُسے قتل کر دو۔ شاہ صاحب کے نزدیک اس کے لئے یہ سزا اس لئے تجویز ہوئی ہے کہ اس معاملے میں رواداری دین حق کی توہین ہے۔(۹)

خدائی قانون:

یہ ساری سزائیں جو رب کائنات نے رحمت کائنات کے ذریعے ہمیں عطا کی ہیں وہ اس لئے ہیں کہ رب اپنے بندوں کے معاملات کو سمجھتا اور جانتا تھا کہ مارشل لاء کے ضابطے عارضی ہیں وہ جانتا تھا کہ رومن لاء کے ضابطے جرائم کی بیخ کنی نہیں کر سکتے۔ وہ جانتا تھا کہ اٹلی، امریکہ اور روس کے قانون جرائم کی بیخ کنی نہیں کر سکتے۔ وہ جانتا تھا کہ دنیا سے جرائم کا خاتمہ کر سکتا تو ربّ کائنات کا دیا ہوا قانون جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دیا گیا ہے وہی کر سکتا ہے۔ اسلامی معاشرے میں جرائم کا خاتمہ اس لئے ہو جاتا ہے کہ اسلام کا ایک دبدبہ تھا۔ اسلامی قوانین کے نفاذ کا مقصد یہ نہیں کہ

☆ میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا (امام محمد بن ادریس شافعی)

لوگ کہیں کہ اسلام کو نافذ کر دیا جائے بلکہ اسلامی قوانین کے نفاذ کا مقصد یہ ہے کہ معاشرہ میں برائیوں کا خاتمہ اسلامی نقطۂ نظر سے کیا جائے اور ایک ایسا ضابطہ دیا جائے جس کے ذریعے اسلام بتاتا ہے کہ معاشرے سے برائیاں مٹ جاتی ہیں۔

اسلامی قانون کی برتری:

آج دنیا میں جو قوانین اپنی عظمت کا لوہا ''تاریخ قانون'' میں منوا چکے ہیں۔ ان میں قانونِ حمورابی، قانونِ موسوی، قانونِ یونانی، قانونِ رومی اور اسی رومی قانون پر جتنے بھی آج مذہبی قوانین ہیں وہ دراصل اسی رومی قانون کے برگ و بار ہیں۔ یہ چار قانون حمورابی، موسوی، یونانی اور رومی اسی ترتیب کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت موجود تھے۔ پھر ایسا قانون آیا جو ان سب پر چھا گیا۔ تاریخ عباسیہ اس بات پر شاہد ہے کہ دنیا بھر کی کتابوں کے تراجم ہوئے لیکن کسی قانون کی کتاب کا ترجمہ نہیں۔ اس لئے کہ مسلمانوں کا قانون اپنی صلاحیت اور اپنی اعلیٰ بنیادوں کی بناء پر سب سے اعلیٰ تھا۔ کیونکہ یہ ربانی قانون تھا۔ وہ انسانی قانون ہیں۔ وہ وضعی قانون ہیں۔ یہ شرعی قانون ہے یہ شرعی وربانی قانون سب پر حاوی ہوگیا۔ (۱۰)

اب حدود کی اقسام اور مصطلحات کی شرح اور اس کی فلاسفی بیان کی جاتی ہے:

(۱) حد زنا:

یہ حد ''زنا'' کے مرتکب پر جاری کی جاتی ہے۔ اس لئے محصن اور غیر محصن (آزاد زانی مرد اور زانی عورت (شادی شدہ) زانی مرد اور زانی عورت (غیر شادی شدہ) کی قید رکھ کر سزا تجویز کی جاتی ہے۔ اسے انگریزی میں The who is in Protection from (Wedded Man or Woman) Adultery کہا جاتا ہے۔ مگر ان سزاؤں کو نافذ کرنے سے پہلے قطعی ثبوت مہیا ہونے چاہئے۔ اب یہاں محصن یعنی شادی شدہ زانی یا زانیہ کے لئے سزا ''رجم'' (سزا) کرنا ہے۔ اور غیر محصن یعنی غیر شادی شدہ زانی یا زانیہ کے لئے حد سو کوڑے سزا کے علاوہ ایک سال کے لئے جلاوطن کرنے کی سزا کا حکم ہے مگر اس میں قاضی کی صوابدید سے تخفیف بھی ہوسکتی ہے۔

اب یہاں محصن کی سزا سنگسار کرنا اور غیر محصن کو کوڑے لگانے کی سزا اس لئے رکھی گئی کہ جب آدمی پندرہ برس کا بالغ ہوجاتا ہے تو مکمل پابند ہوجاتا ہے۔ اس سے پہلے مکمل مکلف نہیں ہوتا۔

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

اس کی عقل، جسم اور رجولیت کا کمال اس سے قبل نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس کی سزا میں تفاوت یعنی فرق ہونا چاہئے۔ بہ نسبت اس شخص کے کہ کامل، کمال عقل اور اپنی آزادانہ روش کے سبب مکمل مکلف ہو۔ اس لئے کہ محصن کامل اور غیر محصن ناقص ہے۔ پس غیر محصن آزاد اور غلام کے مابین اور صرف سنگسار ہونے میں اس واسطہ کا اعتبار کیا۔ اس لئے کہ وہ ''حق الٰہی'' کے اندر جو جو سزا مقرر کی گئی اُس سب کا نافذ کرنا سخت ہے۔'' (۱۱)

معجم لغۃ الفقہاء ص ۴۱۲، اسرار شریعت ص ۳۹۰، دائرۂ اسلامیہ ج ۷، ص ۹۵۴، اسلامی اصطلاحات ص ۲۶۶۔

حوالہ جات

۱۔ ''اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے۔'' ص ۱۸۱، مطبوعہ وزارت مذہبی اسلام آباد پاکستان، ولی اللہ، شاہ حجۃ البالغہ، اُردو ترجمہ ۱۷۹، مطبوعہ لاہور۔

۲۔ جنگ لندن، ص ۷، ۱۸ جنوری ۱۹۹۴ء۔

۳۔ اسلامی حدود اور اُن کا فلسفہ، ص ۱۲، مطبوعہ دیال سنگھ لائبریری ٹرسٹ لاہور۔

۴۔ ایضاً، ص ۱۶۔

۵۔ منہاجِ شریعت نمبر، ص ۱۷۳۔۱۷۴، مطبوعہ دیال سنگھ لائبریری ٹرسٹ لاہور۔

۶۔ اصطلاحاتِ اسلامیہ، ص ۶۵، اسرارِ شریعت، جلد دوئم، ص ۴۰۶، معجم اللغۃ، الفقہاء ص دائرۂ معارفِ اسلامیہ، جلد نمبر ۷، ص ۹۵۳، نفاذِ شریعت نمبر، ص ۱۵۹۔

۷۔ دائرہ معارفِ اسلامیہ، جلد نمبر ۷، ص ۱۶۸۔

۸۔ دائرۂ معارفِ اسلامیہ، جلد نمبر ۷، ص ۹۵۳، قاموس الفقہ، ص ۷۸۔

۹۔ منہاج نفاذِ شریعت نمبر، ص ۱۵۹، دائرہ معارفِ اسلامیہ، جلد نمبر ۷، ص ۹۵۴۔

۱۰۔ علماء کنونشن، منعقدہ ۱۹۸۰ء، ص ۱۱۳، ۱۵۲۔

۱۱۔ معجم اللغۃ الفقہاء، ص ۱۴۲، اسرارِ شریعت، ص ۳۹۰، دائرہ معارفِ اسلامیہ، ج ۷، ص ۹۵۶، اسلامی اصطلاحات، ص ۲۶۶۔

☆ الاجتہاد لا ینقض بالاجتہاد ☆ اجتہاد اجتہاد کے ساتھ باطل نہیں ہوگا ☆